ب ۸۹۱.۴۴
۸ ق
ر ق ک-۱

اقبال
اور
نونہال

مرتبہ
وحید الدین سلیم

عتیق الرحمٰن اینڈ سنز تاجران کتب چوک بھوپال

قیمت

اقبال اور نونہال

مرتبہ

وحید الدین سلیم

ناشر

ایوانِ ادب

عابد روڈ حیدر آباد - دکن

IQBAL ACADEMY PAKISTAN
LIBRARY.
Acc. No. 21423
LAHORE

سول ایجنٹ

چارمینار پرنٹنگ پریس (گلزار حوض)
حیدرآباد ۔ دکن

8U1-66 30523
IGB-5

اشاعتِ اول — جون ۱۹۴۴ء
(۱۰۰۰)

قیمت دس آنے
۱۰/

فہرست

بچے کی دُعا	۱
ترانۂ ہندی	۳
ہندوستانی بچوں کا گیت	۴
ترانۂ ملی	۸
ایک مکڑا اور مکھی	۹
ایک پہاڑ اور گلہری	۱۲
ایک گائے اور بکری	۱۴
ہمدردی	۱۶
ماں کا خواب	۱۷
پرندے کی فریاد	۱۸
ابرِ کوہسار	۲۱
ہندوستان سے - !	۲۵
جگنو	۲۶
ایک پرندہ اور جگنو	۲۹
اخترِ صبح	۳۰
چاند اور تارے	۳۲
ایک آرزو	۳۴
صدائے درد	۳۶
کنارِ راوی	۳۷
کوششِ ناتمام	۴۰
ستارہ	۴۱
پیامِ اتحاد	۴۴
رمزِ توحید	۴۹
بچہ اور شمع	۵۰
محسوساتِ اقبال	۵۲

پیش لفظ

اقبال کے تخاطب کا فخر صرف جواں سالوں کو ہی حاصل نہیں ہوا۔ یہ سعادت ہم بچوں کو بھی نصیب ہوئی ہے۔

میں نے اس مجموعہ میں شاعر مشرق کا وہ کلام جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو ہماری نئی پود سے تعلق رکھتا ہے۔ ممکن ہے اس میں ایک آدھ ایسی نظم بھی ہو جو آپ کو مشکل معلوم ہو۔ اس سلسلے میں پڑھنے والوں سے میری التماس ہے کہ وہ مجھے مطلع کردیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں خیال رکھا جاسکے۔

اس مجموعہ کی تکمیل کے سلسلے میں، میں جناب سید حسین صاحب۔ مالک سید عبدالرزاق اینڈ کو، برادرم سید افتخار حسین صاحب اور نعیم الدین صاحب (عثمانیہ) کا شکر گزار ہوں جن کی کوششوں سے یہ کتاب آپ تک پہنچ سکی فقط

وحید الدین سلیم

ترپ بازار حیدر آباد دکن

۲۸/جون ۱۹۴۴ء

تعارف

آپ ہنسنا بہتوں کو آتا ہے لیکن ایسے بہت کم ہیں جن میں اوروں کو ہنسانے کا جذبہ بھی ہو۔ وحید الدین صاحب سلیمؔ ایسے نونہال ہیں جنھوں نے خود اقبالؔ کو پڑھا ہے اور نونہالانِ وطن کو بھی مطالعۂ اقبالؔ کی دعوت دی ہے۔ ان کی یہی خوبی ہے، جس نے ان کو اپنے ہم عمروں میں، نمایاں کردیا ہے۔

وحیدؔ ابھی لڑکپن کے دور میں ہیں لیکن ان میں ابھی سے ادب کا اچھا خاصا ذوق پیدا ہوگیا ہے۔ یہ خود شعر کہتے ہیں اور ان کی افسانہ نویسی کے بعض نمونے بھی میری نظر سے گذرے ہیں۔ اگر انھوں نے اسی رفتار سے اپنی کوشش جاری رکھی تو یقین ہے کہ مستقبل کے ایک اچھے ادیب ثابت ہوں گے۔

زیرِ نظر مجموعہ ان کے حسنِ انتخاب کا ایک دلکش نمونہ ہے۔

سید حسن
مدیر "تاج"

نونہالوں کے نام

بچے کی دُعا

(۱)

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنا میری زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

دور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے! ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے!

ہو مرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت

جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

(۴)

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب! علم کی شمع سے ہو مجھکو محبت یارب!

ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا

مرے اللہ! برائی سے بچانا مجھ کو

نیک جو راہ ہو اس راہ پہ چلانا مجھکو

ترانۂ ہندی

سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اسکی یہ گلستان ہمارا
غربت میں ہوں اگر ہم، رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا، ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا
گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جن کے دم سے رشکِ جناں ہمارا
اے آبِ رودِ گنگا! وہ دن ہیں یاد تجھکو
اترا تیرے کنارے جب کاروان ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستان ہمارا
یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشان ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زمان ہمارا
اقبال! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

(۱)

چشتی نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

(۲)

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا
سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا

مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا
ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

(۳)

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے
پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے

وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے
میرِ عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

(۴)

بندے کلیم جس کے، پربت جہاں کے سینا
نوحِ نبی کا آکر ٹھیرا جہاں سفینا

رفعت ہے جس زمیں کی بامِ فلک کا زینا
جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

ترانۂ ملّی

چین و عرب ہمارا، ہندوستان ہمارا — مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہ
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے — آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہما
دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا — ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہ
تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں — خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہما
مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری — تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہما
باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم — سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہما
اے گلستانِ اندلس! وہ دن ہیں یاد تجھکو — تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہ
اے موجِ دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہمکو — اب تک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہ
اے ارضِ پاک! تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم — ہے خون تیری رگوں میں ابتک رواں ہ
سالارِ کارواں ہے میرِ حجاز اپنا — اس نام سے ہے باقی آرامِ جاں ہما

اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

ایک مکڑا اور مکھی

(۱)

اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا
اس راہ سے ہوتا ہے گذر روز تمہارا
لیکن میری کٹیا کی نہ جاگی کبھی قسمت
بھولے سے کبھی تم نے یہاں پاؤں نہ رکھا
غیروں سے نہ ملیے تو کوئی بات نہیں ہے
اپنوں سے مگر چاہیے یوں کھینچ کے نہ رہنا
آؤ جو میرے گھر میں تو یہ عزت ہے میری
وہ سامنے سیڑھی ہے جو منظور ہو آنا
مکھی نے سنی بات جو مکڑے کی تو بولی
حضرت! کسی نادان کو دیجیے گا یہ دھوکا
اس جال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے
جو آپ کی سیڑھی پہ چڑھا، پھر نہیں اترا

(۲)

مکڑے نے کہا واہ، فریبی مجھے سمجھے
تم سا کوئی ناداں زمانے میں نہ ہوگا

منظور تمہاری مجھے خاطر تھی، وگرنہ
کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا

اڑتی ہوئی آئی ہو خدا جانے کہاں سے
ٹھہرو جو مرے گھر میں تو ہے اس میں برا کیا!

اس گھر میں کئی تمکو دکھانے کی ہیں چیزیں
باہر سے نظر آتی ہے چھوٹی سی یہ کٹیا

لٹکے ہوئے دروازوں پہ باریک ہیں پردے
دیواروں کو آئینوں سے ہے میں نے سجایا

مہمانوں کے آرام کو حاضر ہیں بچھونے
ہر شخص کو سامان یہ میسر نہیں ہوتا

مکھی نے کہا خیر یہ سب ٹھیک ہے لیکن
میں، آپ کے گھر آؤں، یہ امید نہ رکھنا

ان نرم بچھونوں سے خدا مجھکو بچائے
سو جائے کوئی اِن پہ تو پھر اٹھ نہیں سکتا

(۳)

مکڑے نے کہا دل میں سنی بات جو اس کی
پھانسوں اسے کس طرح؟ یہ کمبخت ہے دانا

سو کام خوشامد سے نکلتے ہیں جہاں میں
دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بندا

یہ سوچ کے مکھی سے کہا اس نے بڑی بی!
اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبا

ہوتی ہے اسے آپ کی صورت سے محبت
ہو جس نے کبھی ایک نظر آپ کو دیکھا

آنکھیں ہیں کہ ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں
سر آپ کا اللہ نے کلغی سے سجایا

یہ حسن، یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی!
پھر اس پہ قیامت ہے یہ اڑتے ہوئے گانا

مکھی نے سنی جب یہ خوشامد تو پسیجی
بولی کہ نہیں آپ سے مجھ کو کوئی کھٹکا

انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں برا میں
سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا

یہ بات کہی اور اڑی اپنی جگہ سے
پاس آئی تو مکڑے نے اچھل کر اسے پکڑا

بھوکا تھا کئی روز سے اب ہاتھ جو آئی
آرام سے گھر بیٹھ کے مکھی کو اڑایا!

ایک پہاڑ اور گلہری

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے
تجھے ہو شرم، تو پانی میں جا کے ڈوب مرے
ذرا سی چیز ہے اس پر غرور کیا کہنا!
یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور، کیا کہنا
خدا کی شان ہے ناچیز، چیز بن بیٹھیں!
جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں!
تری بساط ہے کیا میری شان کے آگے؟
زمیں ہے پست مری آن بان کے آگے
جو بات مجھ میں ہے تجھ کو وہ ہے نصیب کہاں
بھلا پہاڑ کہاں، جانور غریب کہاں!

(۲)

کہا یہ سن کے گلہری نے، منہ سنبھال ذرا!
یہ کچی باتیں ہیں دل سے انہیں نکال ذرا!

جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا!
نہیں ہے تو بھی تو آخر میری طرح چھوٹا

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے
کوئی بڑا، کوئی چھوٹا یہ اس کی حکمت ہے

بڑا جہاں میں تجھکو بنا دیا اس نے
مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اس نے

قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں
تری بڑائی ہے! خوبی ہے اور کیا تجھ میں؟

جو تو بڑا ہے مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو
یہ چھالیا ہی ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی بڑا نہیں قدرت کے کارخانے میں

ایک گائے اور بکری

ایک چراگاہ ہری بھری تھی کہیں
تھی سراپا بہار جس کی زمیں

کیا سماں اس بہار کا ہو بیاں
ہر طرف ندیاں تھیں رواں

تھے اناروں کے بے شمار درخت
اور پیپل کے سایہ دار درخت

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں
طائروں کی صدائیں آتی تھیں

کسی ندی کے پاس اک بکری
چرتے چرتے کہیں سے آ نکلی

جب ٹھہر کر اِدھر اُدھر دیکھا
پاس ایک گائے کو کھڑے پایا

پہلے جھک کر اسے سلام کیا
پھر سلیقے سے یوں کلام کیا

کیوں بڑی بی مزاج کیسے ہیں ؟
گائے بولی کہ خیر اچھے ہیں !

کٹ رہی ہے بری بھلی اپنی
ہے مصیبت میں زندگی اپنی

جان پر آ بنی ہے، کیا کہیے!
اپنی قسمت بری ہے، کیا کہیے

دیکھتی ہوں خدا کی شان کو میں
رو رہی ہوں بروں کی جان کو میں

زور چلتا نہیں غریبوں کا
پیش آیا لکھا نصیبوں کا

آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے
اس سے پالا پڑے خدا نہ کرے

دودھ کم دوں تو بڑبڑاتا ہے
ہوں جو دبلی تو بیچ کھاتا ہے

ہتھکنڈوں سے غلام کرتا ہے!
کن فریبوں سے رام کرتا ہے

اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں / دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں
بدلے نیکی کے یہ برائی ہے / میرے اللہ تیری دہائی ہے!!
سن کے بکری یہ ماجرا سارا / بولی! ایسا گلہ نہیں اچھا
بات سچی ہے بے مزہ لگتی / میں کہوں گی مگر خدا لگتی
یہ چراگہ، یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا / یہ ہری گھاس اور یہ سایا
ایسی خوشیاں ہمیں نصیب کہاں! / یہ کہاں بے زبان غریب کہاں!
یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں / لطف سارے اسی کے دم سے ہیں
اس کے دم سے ہے اپنی آبادی / قید ہم کو بھلی، کہ آزادی؟
سو طرح کا بنوں میں ہے کھٹکا / واں کی گزران سے بچائے خدا!
ہم پہ احسان ہے بڑا اس کا / ہم کو زیبا نہیں گلہ اس کا
قدر آرام کی اگر سمجھو / آدمی کا کبھی گلہ نہ کرو
گائے سن کے یہ بات شرمائی / آدمی کے گلے سے پچھتائی
دل میں پرکھا بھلا برا اس نے / اور کچھ سوچ کر کہا اس نے

یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
دل کو لگتی ہے بات بکری کی

ہمدردی

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا
بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا

کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی
اڑنے چگنے میں دن گزارا

پہنچوں کس طرح آشیاں تک
ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا

سنکر بلبل کی آہ وزاری
جگنو کوئی پاس ہی سے بولا

حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے
کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا

کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری
میں راہ میں روشنی کرونگا

اللہ نے دی ہے مجھکو مشعل
چمکا کے مجھے دیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

ماں کا خواب

میں سوئی جو اک شب تو دیکھا یہ خواب
بڑھا اور جس سے مرا اضطراب

یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں

لرزتا تھا ڈر سے مرا بال بال!
قدم کا تھا دہشت سے اٹھنا محال

جو کچھ حوصلہ پا کے آگے بڑھی
تو دیکھا قطار ایک لڑکوں کی تھی

زمرد سی پوشاک پہنے ہوئے
دیے سب کے ہاتھوں میں جلتے ہوئے

وہ چپ چاپ تھے آگے پیچھے رواں
خدا جانے جانا تھا ان کو کہاں!

اسی سوچ میں تھی کہ میرا پسر
مجھے اس جماعت میں آیا نظر

وہ پیچھے تھا اور تیز چلتا نہ تھا
دیا اس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا

کہا میں نے پہچان کر میری جاں!
مجھے چھوڑ کر آ گئے تم کہاں؟

جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہار

نہ پروا ہماری ذرا تم نے کی
گئے چھوڑ، اچھی وفا تم نے کی!

جو بچے نے دیکھا مرا پیچ و تاب
دیا اس نے منہ پھیر کر یوں جواب

رلاتی ہے تجھ کو جدائی مری
نہیں اس میں کچھ بھی بھلائی مری

یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چپ رہا
دیا پھر دکھا کر یہ کہنے لگا!

سمجھتی ہے تو ہو گیا کیا اسے؟
ترے آنسوؤں نے بجھایا اسے!

پرندے کی فریاد

(١)

آتا ہے یاد مجھکو گزرا ہوا زمانہ — وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چہچہانا
آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی — اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانا
لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم — شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا مسکرانا
وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت — آباد جسکے دم سے تھا میرا آشیانا
آتی نہیں صدائیں انکی مرے قفس میں
ہوتی مری رہائی اے کاش مرے بس میں

(۲)

کیا بد نصیب ہوں میں گھر کو ترس رہا ہوں　　ساتھی تو ہیں وطن میں میں قید میں پڑا ہوں
آئی بہار کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں　　میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں

اس قید کا الٰہی دکھڑا کسے سناؤں
ڈر ہے یہیں قفس میں میں غم سے مر نہ جاؤں

(۳)

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے   دل غم کو کھا رہا ہے غم دل کو کھا رہا ہے
گانا اسے سمجھ کر خوش ہو نہ سننے والے   دکھے ہوئے دلوں کی فریاد یہ صدا ہے
آزاد مجھ کو کر دے او قید کرنے والے
میں بے زباں ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے

ابرِ کوہسار

ہے بلندی سے فلک بوس نشیمن میرا ابرِ کہسار ہوں گل پاش ہے دامن میرا
کبھی صحرا کبھی گلزار ہے مسکن میرا شہر ویرانہ میرا، بحر میرا، بن میرا
کبھی وادی میں جو منظور ہو سونا مجھکو
سبزۂ کوہ ہے مخمل کا بچھونا مجھکو

(۳)

مجھ کو قدرت نے سکھایا ہے دُر افشاں ہونا　　ناقۂ شاہدِ رحمت کا حدی خواں ہونا
غم زدائے دلِ افسردۂ دہقاں ہونا　　رونقِ بزمِ جوانانِ گلستاں ہونا

بن کے گیسو رخِ ہستی پہ بکھر جاتا ہوں
شانۂ موجۂ صرصر سے سنور جاتا ہوں

(۳)

دور سے دیدۂ امید کو ترساتا ہوں   کسی بستی سے جو خاموش گزر جاتا ہوں
سیر کرتا ہوا جس دم لبِ جو آتا ہوں   بالیاں نہر کے گرداب کو پہناتا ہوں
سبزۂ مزرعِ نوخیز کی امید ہوں میں
زادۂ بحر ہوں، پروردۂ خورشید ہوں میں

(۴)

چشمۂ کوہ کو دی شورشِ قلزم میں نے
اور پرندوں کو کیا محوِ ترنم میں نے
سر پہ سبزے کے کھڑے ہو کے کہا قُم میں نے
غنچۂ گل کو دیا ذوقِ تبسم میں نے
فیض سے میرے نمونے ہیں شبستانوں کے
جھونپڑے دامنِ کہسار میں دہقانوں کے

ہندوستان سے۔!

عطا ایسا بیاں مجھکو ہوا رنگیں بیانوں میں — کہ بام عرش کے طائر ہیں میرے ہم زبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنونِ فتنہ ساماں کا — مرا آئینہ دل ہے قضا کے راز دانوں میں
رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں مجھکو — کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں.
دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا — لکھا کلکِ ازل نے مجھکو تیرے نوحہ خوانوں میں
نشانِ برگِ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں — تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں
چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے — عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صدا میری، یہ ایسی چیز ہے جسکو — وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں
وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے — تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے والا ہے — دھرا کیا ہے بھلا عہدِ کہن کی داستانوں میں؟
یہ خاموشی کہاں تک؟ لذتِ فریاد پیدا کر! — زمیں پر تو ہے، اور تیری صدا ہو آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو — تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گامزن، محبوب فطرت ہے

جگنو

(٭)

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں؟
آیا ہے آسماں سے اڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں؟
یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا؟
غربت میں آکے چمکا، گمنام تھا وطن میں
تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا ؟
ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں؟
حسنِ قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی؟
لے آئی جسکو قدرت خلوت سے انجمن میں
چھوٹے چاند میں ہے ظلمت بھی، روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے، آیا کبھی گہن میں

پروانہ اک پتنگا، جگنو بھی اک پتنگا!
وہ روشنی کا طالب، یہ روشنی سراپا

(۲)

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی
پروانہ کو تپش دی، جگنو کو روشنی دی

رنگیں نوا بنایا، مرغانِ بے زباں کو
گل کو زبان دے کر تعلیم خامشی دی

نظارہ شفق کی خوبی زوال میں تھی
چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی زندگی دی

رنگیں کیا سحر کو - بانکی دلہن کی صورت
پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی

سایہ دیا شجر کو، پرواز دی ہوا کو
پانی کو دی روانی، موجوں کو بے کلی دی

یہ امتیاز لیکن، اک بات ہے ہماری
جگنو کا دن وہی ہے جو رات ہے ہماری

(۷)

حسنِ ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
انساں میں وہ سخن ہے، غنچے میں وہ چٹک ہے

یہ چاند آسماں کا شاعر کا دل ہے گویا
واں چاندنی ہے جو کچھ یاں درد کی کسک ہے

اندازِ گفتگو نے دھوکے دیے ہیں، ورنہ
نغمہ ہے بوئے بلبل، بو پھول کی چہک ہے

کثرت میں ہوگیا ہے وحدت، راز مخفی
جگنو میں جو چمک ہے، وہ پھول میں مہک ہے

یہ اختلاف پھر کیوں ہنگاموں کا محل ہو؟
ہر شے میں جب کہ پنہاں خاموشیٔ ازل ہو!

ایک پرندہ اور جگنو

سرِ شام ایک مرغ نغمہ پیرا
کسی ٹہنی پہ بیٹھا گا رہا تھا
چمکتی چیز ایک دیکھی زمین پر
اڑا طائر اسے جگنو سمجھ کر
کہا جگنو نے او مرغِ نوا ریز
نہ کر بیکس پہ منقار ہوس تیز
تجھے جس نے چہک، گل کو مہک دی
اسی اللہ نے مجھ کو چمک دی
لباسِ نور میں مستور ہوں میں
پتنگوں کے جہاں کا طور ہوں میں
چہک تیری بہشتِ گوش اگر ہے
چمک میری بھی فردوسِ نظر ہے
پروں کو میرے قدرت نے ضیا دی
تجھے اس نے صدائے دلربا دی
تری منقار کو گانا سکھایا
مجھے گلزار کی مشعل بنایا
چمک بخشی مجھے، آواز تجھ کو
دیا ہے سوز مجھ کو، ساز تجھ کو
مخالف ساز کا ہوتا نہیں سوز
جہاں میں ساز کا ہے ہم نشیں سوز
قیام بزم ہستی ہے انہیں سے
ظہورِ اوج و پستی ہے انہیں سے
ہم آہنگی سے ہے محفل جہاں کی
اسی سے ہے بہار اس بوستاں کی

اخترِ صبح

(۱)

ستارہ صبح کا روتا تھا اور یہ کہتا تھا ملی نگاہ مگر فرصت نظر نہ ملی
ہوئی ہے زندہ دمِ آفتاب سے ہر شئے اماں مجھی کو تہِ دامنِ سحر نہ ملی
بساط کیا ہے بھلا صبح کے ستارے کی
نفس حباب کا تابندگی شرارے کی

(۲)

کہا یہ میں نے کہ اے زیورِ جبینِ سحر! غمِ فنا ہے تجھے ؟ گنبدِ فلک سے اتر
ٹپک بلندیٔ گردوں سے ہمرہِ شبنم مرے ریاضِ سخن کی فضا ہے جاں پرور
میں باغباں ہوں محبت بہار ہے اسکی
بنا مثالِ ابد پائدار ہے اسکی

ایک آرزو

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

مرتا ہوں خامشی پر یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

آزاد فکر سے ہوں عزلت میں دن گزاروں
دنیا کے غم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو

ہو ہاتھ کا سرہانا سبزے کا ہو بچھونا
شرمائے جس سے جلوت خلوت میں وہ ادا ہو

مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بلبل
ننھے سے دل میں اسکے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دلفریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بنکر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو
سرخی لئے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم
امید ان کی میری ٹوٹی ہوئی دیا ہو

بجلی چمک کے انکو کٹیا مری دکھا دے
جب آسماں پہ ہر سو بادل گھرا ہوا ہو

پچھلے پہر کی کوئل وہ صبح کی مؤذن میں اس کا ہم نوا ہوں وہ میری ہم نوا ہو
کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں روزن ہی جھونپڑی کا مجھکو سحر نما ہو
پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے رونا مرا وضو ہو نالہ مری دعا ہو
اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو

ہر دردمند دل کو رونا مرا رلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

صدائے درد

جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے
ہاں ڈبو دے اے محیطِ آبِ گنگا تو مجھے

سرزمیں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے
وصل کیسا یاں تو اک قربِ فراق آمیز ہے

بدلے یک رنگی کے یہ ناآشنائی ہے غضب
ایک ہی خرمن کے دانوں میں جدائی ہے غضب

جس کے پھولوں میں اخوت کی ہوا آئی نہیں
اس چمن میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

لذتِ قربِ حقیقی پر مٹا جاتا ہوں میں
اختلاطِ موجہ و ساحل سے گھبراتا ہوں میں

دانۂ خرمن نما ہے شاعرِ معجز بیاں!
ہو نہ خرمن ہی تو اس دانے کی ہستی پھر کہاں

حسن ہو کیا خود نما جب کوئی مائل ہی نہ ہو
شمع کے جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی نہ ہو

ذوقِ گویائی خموشی سے بدلتا کیوں نہیں
میرے آئینہ سے یہ جوہر نکلتا کیوں نہیں

کب زباں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے
پھونک ڈالا جب چمن کو آتشِ پیکار نے

کنارِ راوی

(۱)

سکوتِ شام میں محوِ سرود ہے راوی   نہ پوچھ مجھ سے جو ہے کیفیت مرے دل کی
پیام سجدہ کا یہ زیروبم ہوا مجھ کو   جہاں تمام سوادِ حرم ہوا مجھ کو
سرِ کنارۂ آبِ رواں کھڑا ہوں میں
خبر نہیں مجھے لیکن کہاں کھڑا ہوں میں

(۲)

شراب سرخ سے رنگیں ہوا ہے دامنِ شام
لئے ہے پیرِ فلک دستِ رعشہ دار میں جام
عدم کو قافلۂ روز تیز گام چلا
شفق نہیں ہیں یہ سورج کے پھول ہیں گویا
کھڑے ہیں دور وہ عظمت فزائے تنہائی
منارِ خواب گہِ شہسوارِ چغتائی
فسانۂ ستمِ انقلاب ہے یہ محل
کوئی زمانِ سلف کی کتاب ہے یہ محل
مقام کیا ہے سرودِ خموشی ہے گویا
شجر یہ انجمنِ بے خروش ہے گویا

۳

رواں ہے سینۂ دریا پہ اک سفینۂ تیز
ہوا ہے موج سے ملّاح جس کا گرمِ ستیز
سبک روی میں ہے مثلِ نگاہ یہ کشتی
نکل کے حلقۂ حدِ نظر سے دور گئی
جہازِ زندگیٔ آدمی رواں ہے یونہی
ابد کے بحر میں پیدا یونہی، نہاں ہے یونہی
شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا
نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا

کوششِ ناتمام

فرقتِ آفتاب میں کھاتی ہے پیچ و تاب صبح
چشمِ شفق ہے خوں فشاں اخترِ شام کیلئے
رہتی ہے قیسِ روز کو لیلیٔ شام کی ہوس
اخترِ صبح مضطرب تابِ دوام کے لئے
کہتا تھا قطبِ آسماں قافلۂ نجوم سے
ہم رہو، میں ترس گیا لطفِ خرام کے لئے
سوتوں کو ندیاں کا شوق، بحر کا ندیوں کو عشق
موجۂ بحر کو تپش ماہِ تمام کے لئے
حسنِ ازل کہ پردۂ لالہ و گل میں ہے نہاں
کہتے ہیں بے قرار ہے جلوۂ عام کے لئے

رازِ حیات پوچھ نے خضرِ خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوششِ ناتمام سے

ستارہ

قمر کا خوف کہ ہے خطرۂ سحر تجھکو
مآلِ حسن کی کیا مل گئی خبر تجھکو

متاعِ نور کے ڈوب جانے کا ہے ڈر تجھکو
ہے کیا ہراسِ فنا صورتِ بشر تجھکو

زمیں سے دور دیا آسماں نے گھر تجھکو
مثالِ ماہ اڑھائی قبائے زر تجھکو

غضب ہے پھر تری ننھی سی جان ڈرتی ہے
تمام رات تری کانپتے گزرتی ہے

چمکنے والے مسافر عجب یہ بستی ہے
جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے

اجل ہے لاکھوں ستاروں کی اک ولادتِ مہر
فنا کی نیند مئے زندگی کی مستی ہے

وداعِ غنچہ میں ہے رازِ آفرینشِ گل
عدم عدم ہے کہ آئینہ دارِ ہستی ہے

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانہ میں

پیام اتحاد

(۱)

سورج نے جاتے جاتے شام سیہ قبا کو — طشت افق سے لے کر لالہ کے پھول مارے
پہنا دیا شفق نے سونے کا سارا زیور — قدرت نے اپنے گہنے چاندی کے سب اتارے
محمل میں خاموشی کے لیلائے ظلمت آئی — چمکے عروس شب کے موتی وہ پیارے پیارے
وہ دور رہنے والے ہنگامۂ جہاں سے — کہتا ہے جن کو انساں اپنی زباں میں "تارے"
محو فلک فروزی تھی انجمن فلک کی
عرش بریں سے آئی آواز اک ملک کی

(۲)

اے شب کے پاسبانو! اے آسماں کے تارو! تابندہ قوم ساری گردوں نشیں تمہاری
چھیڑو سرود ایسا جاگ اٹھیں سونے والے رہبر ہے قافلوں کی تاب جبیں تمہاری
آئینے قسمتوں کے تم کو یہ جانتے ہیں شاید سنیں صدائیں اہل زمیں تمہاری
رخصت ہوئی خموشی تاروں بھری فضا سے
وسعت تھی آسماں کی معمور اس نوا سے

(۳)

حسنِ ازل ہے پیدا تاروں کی دلبری میں　　جس طرح عکسِ گل ہو شبنم کی آرسی میں
آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن یہ اڑنا　　منزل یہی کٹھن ہے قدموں کی زندگی میں
یہ کاروانِ ہستی ہے تیز گام ایسا　　قومیں کچل گئی ہیں جس کی رواروی میں
آنکھوں سے ہیں ہماری غائب ہزاروں انجم　　داخل ہیں وہ بھی لیکن اپنی برادری میں
اک عمر میں نہ سمجھے اس کو زمین والے　　جو بات پا گئے ہم تھوڑی سی زندگی میں

ہیں جذب باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

رمزِ توحید

چمک تیری عیاں بجلی میں، آتش میں، شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں، سورج میں، تارے میں
بلندی آسمانوں میں، زمینوں میں تری پستی
روانی بحر میں، افتادگی تیری کنارے میں
شریعت کیوں گریباں گیر ہو ذوقِ تکلم کی ؟
چھپا جاتا ہوں اپنے دل کو مطلب استعارے میں
جو ہے بیدار انساں میں وہ گہری نیند سوتا ہے
شجر میں، پھول میں، حیواں میں، پتھر میں شرارے میں
مرے پہلو میں دل ہے یا کوئی آئینہ جادو کا
تری قدرت نظر آئی مجھے اپنے نظارے میں
اُتارا میں نے زنجیرِ رسوم اہلِ ظاہر کو
ملا وہ لطف آزادی مجھے تیرے سہارے میں
مجھے پھونکا ہے سوزِ قطرۂ اشکِ محبت نے
غضب کی آگ تھی پانی کے چھوٹے سے شرارے میں
نہیں جنسِ ثوابِ آخرت کی آرزو مجھکو
وہ سوداگر ہوں میں نے نفع دیکھا ہے خسارے میں
سکوں ناآشنا رہنا اسے سامانِ ہستی ہے
تڑپ کس دل کی یارب چھپ کے آبیٹھی ہے پارے میں؟

صدائے لن ترانی سن کے اے اقبال! میں چپ ہوں
تقاضوں کی کہاں طاقت ہے مجھ فرقت کے مارے کو

بچہ اور شمع

(۱)

کیسی حیرانی ہے یہ اے طفلک پروانہ خو
شمع کے شعلوں کو گھڑیوں دیکھتا رہتا ہے تو
یہ مری آغوش میں بیٹھے ہوئے جنبش ہے کیا؟
روشنی سے کیا بغلگیری ہے تیرا مدعا
اس نظارے سے ترا ننھا سا دل حیران ہے
یہ کسی دیکھی ہوئی شے کی مگر پہچان ہے

(۲)

شمع اک شعلہ ہے، لیکن تو سراپا نور ہے
آہ! اس محفل میں یہ عریاں ہے، تو مستور ہے
دستِ قدرت نے اسے کیا جانے کیوں عریاں کیا!
تجھکو خاکِ تیرہ کے فانوس میں پنہاں کیا
نور تیرا چھپ گیا زیرِ نقابِ آگہی!
ہے غبارِ دیدۂ بینا حجابِ آگہی!
زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ
خواب ہے، غفلت ہے، سرمستی ہے یا بیہوشی ہے یہ

(۳)

محفلِ قدرت ہے، اک دریائے بے پایانِ حسن
آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفانِ حسن
حسن کوہستان کی ہیبت ناک خاموشی میں ہے
مہر کی ضو گستری، شب کی سیہ پوشی میں ہے
آسمانِ صبح کی آئنہ پوشی میں ہے یہ
شام کی ظلمت، شفق کی گلفروشی میں ہے یہ
عظمتِ دیرینہ کے مٹتے ہوئے آثار میں
طفلکِ ناآشنا کی کوششِ گفتار میں
ساکنانِ صحنِ گلشن کی ہم آوازی میں ہے
ننھے ننھے طائروں کی آشیاں سازی میں ہے
چشمۂ کہسار میں، دریا کی آزادی میں حسن
شہر میں، صحرا میں، ویرانے میں آبادی میں حسن
روح کو لیکن کسی گم گشتہ شے کی ہے ہوس
ورنہ اس صحرا میں کیوں نالاں ہے یہ مثلِ جرس
حسن کے اس عام جلوے میں بھی یہ بیتاب ہے
زندگی اس کی مثالِ ماہیِ بے آب ہے

محسوساتِ اقبال

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا
کبھی جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آبسیں گے
برہنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خارزار ہوگا
دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ زرِ کم عیار ہوگا
سفینہ برگِ گل بنالے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر دریا سے پار ہوگا
چمن میں لالہ دکھاتا پھرتا ہے داغ اپنا کلی کلی کو
یہ جانتا ہے کہ اس دکھاوے سے دل جلوں میں شمار ہوگا
جو ایک تھا اے نگاہ! تو نے ہزار کر کے ہمیں دکھایا
یہی اگر کیفیت ہے تیری تو پھر کیسے اعتبار ہوگا
کہا جو قمری سے میں نے اک دن یہاں کے آزاد پا بہ گل ہیں
تو غنچے کہنے لگے ہمارے چمن کا یہ رازدار ہوگا

IQBAL ACADEMY PAKISTAN
LIBRARY.
Acc. No. 21493
LAHORE.

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اسکا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا
یہ رسم بزم فنا ہے اے دل! گناہ ہے جنبشِ نظر بھی
رہے گی کیا آبرو ہماری جو تو یہاں بے قرار ہوگا
میں ظلمتِ شب میں لیکے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فشاں ہوگی آہ میری، نفس مرا شعلہ بار ہوگا
نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا، ابھی وہی کیفیت ہے اس کی
کہیں سرِ راہِ گذر بیٹھا ستم کشِ انتظار ہوگا

00021423